افاداتِ مولانا عُبیدُاللہ سِندھیؒ

تمہید کتاب سطعات (اِمَام وَلی اللہؒ)

مولانا عزیز احمد عُبیداللّٰہی

عام طور پر وجود کو واجب اور ممکن اور پھر ممکن کو حادث اور قدیم میں تقسیم کیا۔ حقائق پر پوری بحث ختم کرنے کے بعد جن معانی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ صحیح ثابت ہوتے کیونکہ ہر موجود کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی علت کی تاثیر سے واجب ؛ وجود کے ساتھ وجوب ضروری ہوگیا تو یہ بحث کہ یہ وجوب بالذات ہے یا وجوب بالغیر. درجے پر رہ جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وجوب بالغیر جہاں ہوگا وہ وجوب بالذات سے دوسر پر مانا جائیگا اس لئے وجود کے مراتب کی صحیح مثال انسان کی ذہنی معلومات میں عق اور حسّی علوم میں ملتی ہے۔ انسانی ذہن تینوں مراتب کے لئے قیومیت کا درجہ رکھتا۔ عقلیت ذہن سے بلاواسطہ تعلق رکھتی ہے اور خیالیت عقلیت کے بعد اور ایسے ہ خیال کے بعد مگر نفس انسانی تینوں چیزوں کا براہِ راست قیوم ہے۔ اشراقی حکماء میں وجود ایک قیوم کے ساتھ قائم ہے پھر اس میں مراتب ضرور مختلف ہیں۔ یہ بحثیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مفصل کتابوں میں پڑھنی چاہئیں۔

اس وقت کوئی سی اصطلاح سامنے رکھی جائے عقل مندوں کی تمام جماعتیں وجود کے تین مراتب ماننے پر متفق ہیں۔ پہلا[1] مرتبہ واجب بالذات یا قیوم حقیقی یا ذات بحت۔ دوسرا[2] مرتبہ صادر اول یا ممکن واجب بالغیر قدیم یا صفاتِ الٰہیہ یا مرتبہ عقل، یہ سب اسی دوسرے درجے کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اس کے بعد تیسرا[3] درجہ جسے عالم یا کائنات یا قیوم حقیقی سے بالواسطہ تعلق رکھنے والا وجود یا شخص اکبر۔ ان تین مراتب پر عقلمند متفق ہیں یعنی انسانی عقل ان مراتب کا انکار نہیں کر سکتی۔

اس کے اندر راز یہ ہے کہ انسان اُسی چیز کو سمجھ سکتا ہے جو اس کی ذات میں ہو یا پھر کسی چیز کو اس پر قیاس کر لیتا ہے اس لئے سب سے پہلے اس مسئلہ میں یقین پیدا کرنا چاہیئے کہ انسان کیا ہے۔ ہم اپنی معلومات دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان کریں گے پہلا حصہ فرضیات (تھیوری)، دوسرا حصہ خواص اور لوازم پھر عقلی اور خیالی دلیلوں سے یا مشاہدہ اور تجربہ سے بحث کرنے کے بعد اس تھیوری کو واقعی ماننا یہ دوسرا حصہ[1] ہمارا سائنس اور حقائق سے تعبیر کیا جائے گا۔ انسان کی ذات کے متعلق ہماری تھیوری یہ ہے۔ سب سے پہلے بدن انسانی ہے۔ جو موت کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک جزء وہ ہے جسے نسمہ یا جسمانی روح یا طبی روح کہا جاتا ہے وہ نباتات میں حیوانات میں انسانوں میں یکساں پایا جاتا ہے۔ نباتی روح یقیناً ایک جسم لطیف ہے جب وہ جدا ہو جائے تو باقی جسم نشو و نما سے معطل ہو جاتا ہے اسی طرح کی روح ہر حیوان میں ملتی ہے جس کے علیحدہ ہونے سے اس حیوان کی موت طاری ہوتی ہے وہ حیوان حس و حرکت سے معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی روح انسانی بدن میں پھیلی ہوئی ہے جب یہ روح علیحدہ ہو جائے تو انسانی نشو و نما اور حس و حرکت اور سوچ بچار سب ختم ہو جاتی ہیں۔ اس حیوانی روح کے ساتھ تیسرا جزو ہم نفس ناطقہ مانتے ہیں۔ اس کی تشریح سے پہلے ہمیں کلی اور جزئی کی نسبت سمجھنا ضروری ہے۔ ہم وجود کے مواطن مختلف مانتے ہیں ایک موطن میں کلی

---

[1] اگر عقلی ہے تو فلسفہ کہلائے گا اور اگر مشاہدہ اور سائنس سے ثابت کیا جائے تو حقائق کہلائے گا۔

بشکل جزئی موجود فی الخارج ہوتی ہے۔ اس سے نازل موطن میں اس کلی کے عکوس مختلف مرایا میں مرتسم ہوتے ہیں۔ اس سے جزئیات پیدا ہوتی ہیں گویا ہمارے نزدیک کلی اور اس کی ایک جزئی میں سوائے اختلافِ موطن کے اور کوئی فرق نہیں اسی اختلافِ موطن کا یہ اثر ضرور ہے کہ کلی اپنے موطن میں ایک ہی ہوسکتی ہے اور جزئی موطن میں تعدد کا امکان ہے جس قدر آئینے زیادہ ہوں اسی قدر جزئیات پیدا ہوسکتی ہیں مگر ایک ایک جزئی کو جب کلی کے مقابلے میں دیکھا جائے گا وہ دو مختلف موطن کو دو جزئیں ہوں گی۔ اس مسئلہ پر جیسے کہ فلاطون کی رائے تھی ہمارے ائمہ شاہ ولی اللہؒ سے لے کر مولانا محمد قاسمؒ تک سب ایک ہی خیال پر متفق ہیں۔ منطق کی جتنی کتابیں درس میں داخل ہیں ان میں اس قول کی تردید مختلف پہلوؤں سے پڑھائی جاتی ہے۔ استاد جب تک خود محقق نہ ہو طالب العلم کو ہمارے عقیدے پر تشفی نہیں دلا سکتا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا سبب ہے جس سے طلبا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ جملہ معترضہ ختم ہوا۔

اس اختلافِ موطن کو سطعات کے پہلے سطعہ میں اس طرح واضح کر دیا گیا ہے :-

برخاتم لفظ زید نقش کردیم بعد ازیں موم یا گل آوردیم و خاتم را بروے زدیم نقش خاص بالفعل حال در موم یا گل پیدا شود۔

اب یہاں زید کے لفظ کا ایک موطن وہ تھا جب خاتم پر نقش کیا گیا دوسرا موطن یہ ہے کہ اس کا عکس موم یا مٹی میں پیدا ہوتا ہے۔ پہلے موطن میں زید کو کلی کہا جاتا ہے دوسرے موطن میں زید کو جزئی کہا جائے گا اس پر یہ لفظ دال ہیں " آں کلی است و ایں جزئی "۔ پہلا اشارہ زید کی طرف ہے جو خاتم پر منقوش ہے اور دوسرا اشارہ اس زید کی طرف ہے جو مٹی پر نقش ہوا۔ جیسے اختلاف مواطن سے کلی اور جزئی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے اسی طرح ایک دوسرا لفظ ہے اس کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیئے جزئی کو شہادی کہا جاتا ہے اور کلی کو اس کا مرتبہ عقل مانا جاتا ہے یا جزئی کو موجود مانا جاتا ہے اور اس کی کلی کو عین ثابت کہا جاتا ہے۔ یہ دوسری اصطلاح عبقات کی ہے۔ یہاں پر یہ تمہیدی جملہ ختم ہوا۔

انسان کلی اپنے موطن میں ایک جزئی کی شکل میں موجود ہے، اسے امام النوع کہا جاتا ہے اس کا عکس اس کے متصل نورانی آئینوں میں جس کا نام عالم مثال ہے پڑتا ہے یعنی مثال کے کاغذ پر امام نوع کی جو تصویر آئے گی وہ اس کی ایک جزئی ہوگی یہ جزئی ایک انسان کے لئے اس کا نفس ناطقہ بنے گی اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ اس موطن میں جس قدر جزئیات امام نوع کی منعکس ہوئیں، اتنے ہی انسان پیدا کرنا حق کو منظور ہوں گے یہ نفس ناطقہ نسمہ کے ساتھ منطبق ہو جاتا ہے اور نسمے کو اپنی شکل پر ڈھال لیتا ہے اور اس کے واسطہ سے بدن میں تاثیر کرتا ہے اور بدن کو امام نوع کی صورت پہلے آتا ہے یہ تیسرا جزو ہے انسانیت کا ہمارے نظریات میں۔

اس نفس ناطقہ میں ایک نقطہ ایسا نورانی ہے کہ وہ واجب الوجود کا جتنا تصور بلکہ اس کی جیسے مثال نفس ناطقہ میں آسکتی تھی وہ اس کی مکمل شکل ہے۔ اس نقطہ کو ہم تجربحت کہتے ہیں، یہ نورانی شعلہ ملکیت کے لطیف کاغذ پر قائم رہتا ہے، اس طرح ہم نفس ناطقہ سے اوپر روح ملکوتی مانتے ہیں جو تجربحت کے لئے آئینہ اور کاغذ بن سکتا ہے۔ یہ چوتھا جزو ہوگا انسانیت کا۔ اس کے بعد تجربحت ہی ایک نورانی ٹکڑا انسانیت میں باقی رہتا ہے جسے ہم پانچواں جزو انسانیت کا مانیں گے۔ ہمارے اس نظریے کی پوری تفصیل الطاف القدس میں ملے گی۔

اب ہم اس مسئلہ کی طرف آتے ہیں جسے انسان کامل اپنے اندر تجربحت کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کے گرد ملکوتی کاغذ کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسی طرح واجب الوجود کو تجربحت کے درجے پر اور اس کی صفات لازمہ کو روح ملکوتی کی شکل میں خیال بناتا ہے۔
اب تجربحت کے درجے پر جو درجہ وجود کا مستقل انسان کے ذہن میں آئے گا اسے ذات بحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جو درجہ روح ملکوتی کی طرح پر ہوگا، اسے حکماء مرتبۂ عقل کہتے ہیں اور ملی لوگ مرتبہ صفات سے تعبیر کرتے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو صفات ذات کے بعد مانے جاتے ہیں وہ ممکن بالذات واجب بالغیر اور قدیم ازلی ابدی سمجھے جاتے ہیں یہ اوصاف جیسے ملی لوگوں کے نزدیک صفات الٰہیہ کے لئے ضروری ہیں اسی طرح حکماء

کے نزدیک بھی صفات مرتبۂ عقل کے لئے ضروری ہیں ۔ اسی طرح عقل کو ماننا یا صفات زائد مع الذات ماننا نزاع لفظی کے قریب ہوجاتا ہے ۔

اب انسان اپنے نفس ناطقہ کو انانیت کا مصداق مانتا ہے جس وقت میں کہتا ہے تو اس وقت اس کی مراد نفس ناطقہ ہوتی ہے ۔ تمام کائنات کو جو مرتبہ ذات بحت و عقل کے بعد ہے انسان ایک بڑے انسان کی شکل میں سوچتا ہے اسے شخص اکبر کہا جاتا ہے اس کا نفس ناطقہ جو ہوگا اسے نفس کلیہ کہا جاتا ہے اس کا حجر بحت جو ہوگا اسے تجلیٔ اعظم کہا جاتا ہے ۔ چونکہ انسان اس چیز کو سمجھ سکتا ہے جو اس کے اندر ہو یا جو اس کی نظیر ہو ہم نے جب اپنے نظریئے میں انسان کے اجزا معین کر دیئے تو اس قاعدے سے ہم تمام وجود کو تین حصوں میں تقسیم کریں گے ۔ ذات بحت[۱]، مرتبہ عقل[۲] اور شخص اکبر[۳]۔ یہاں پر یہ بحث ختم ہوگئی کہ ہم کیوں وجود کو ان تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں تمام انسانیت کے عقلمندوں نے کیوں وجود کے یہ تین حصے تسلیم کئے ۔

تتمہ :۔ یہاں ایک ضمنی بحث تتمہ کے طور پر لکھنا ضروری ہے ۔ ہم نے جن عقلمندوں کو اس مسئلہ پر متفق مانا ہے وہ فقط وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن میں ہم اپنی اصطلاح خاص میں کامل کہتے ہیں یعنی وہ اپنے اندر حجر بحت کو مشاہدہ کر لیتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے وہ تمام وجود کو سمجھ سکتے ہیں ۔ اس قسم کے تمام کامل انسانوں کا اور ان کے تمام متبعین کا اتفاق ہے کہ وجود کو تین مرتبوں میں ماننا چاہیئے ۔ مگر ایک ایسا طبقہ عقلمندوں کا جس نے انسانیت کی تحلیل کرنے میں بدن انسانی کو سمجھنے میں زیادہ وقت صرف کر دیا اور اس کے ساتھ نسمے کا تلازم اس کی عقل میں روشن ہوگیا مگر نفس ناطقہ اور امام النوع کا سمجھنا ابھی باقی ہے ۔ وہ اس نقصان کے زمانے میں سوائے مادے کے مرتبۂ عقل یا مرتبہ ذات بحت کا انکار کر بیٹھتے ہیں ۔ یہ انکار ان کا جہل بسیط ہے ، یعنی انہیں ابھی فرصت نہیں ملی کہ وہ اپنے نظریات کے مطابق ان مسائل کو حل کر سکیں ایک سائنٹسٹ مادی تحقیقات میں منہمک ہو کر اپنی بے بساطی کا ان لفظوں میں اقرار کرتا ہے کہ میں سائنس کا محیط نہیں ہوں بلکہ میری مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے کنارے پر

ایک بچہ سیپ سے کھیل رہا ہو اس کا یہ کہنا کہ سیپ کے سوا اور کوئی چیز نہیں اسی معنیٰ میں ان ناقص طالب العلموں کے اقوال سمجھنے چاہئیں ۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وجود کے مسئلہ کو سمجھنے والا انسان کبھی خدا کا انکار نہیں کر سکتا ۔ اس لئے ہم شاہ ولی اللہ کا فلسفہ جو وجود کی وحدت حقیقی پر مبنی ہے یا پرانی ویدانت فلاسفی کی دوسری ایڈیشن ہے اس سائنس کے عروج کے زمانے میں اس فلسفہ کا پڑھنا ہم ضروری قرار دیتے ہیں، تاکہ اصطلاحی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر خدا کا انکار نہ کیا جا سکے ۔

سطعہ اول کی تمہید ختم ہوئی ۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا سندھی مرحوم کے حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار پر یہ کتاب ایک جامع اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے، یہ ایک عرصے سے نایاب تھی ۔ یہ کتاب دین، حکمت، تاریخ اور سیاست کا ایک اہم مرقع ہے ۔

قیمت :- مجلد چھ روپے پچھتر پیسے

سندھ ساگر اکادمی ۔ چوک مینار ۔ انارکلی ۔ لاھور